محمد حسین آزاد: جنوں اور رسائلِ جنوں

ڈاکٹر تبسم کاشمیری*

Abstract:

Muhammad Hussain Azad experienced a particular state of mind in the last 20 years[1890-1910],which is called the period of insanity,but during this period he penned down 94 scripts.In this article a critic and historian of Urdu literature has brilliantly highlighted some of the factors and sources which kept private world of this genius over his public world.If it was a paranoid,which unleashed unending hullucinations and delusions to the mind of this gifted writer of Urdu.In the opinion of Dr.Tabassum it is creative expression of Azad which provided exhaust to the writer.

'سپاک ونماک' ہو یا 'فلسفۂ الٰہیات'۔ دورِ جنوں کے ان رسائل میں ایک نیا انسان اور ایک نیا آزاد برآمد ہوا ہے جو آبِ حیات، دربارِ اکبری اور سخندانِ فارس کے آزاد سے مختلف ہے۔ 'آبِ حیات' کا بے مثل انشا پرداز ادب و شعر، تہذیب و ثقافت اور تاریخ کے رچاؤ سے جدید کلاسیکی اسلوب کی ان نادر صورتوں کا مظاہرہ کرتا ہے جن میں اس کا اسلوب تہذیبی اور شعری کشف کے امتزاج کی ارفع شکلوں کو پیش کرتا ہے۔ مگر جنوں کی رو چلنے سے اس کی نادر انشا پردازی کا رنگ یک دم مختلف ہونے لگتا ہے۔ شعور کی وہ رو جو آزاد کی انشا پردازی کا رنگ و آہنگ تشکیل دینے پر مامور رہتی تھی اب خاموش ہو جاتی ہے۔ اور یہ ادبی کاوشیں سرد پڑ جاتی ہیں۔

'سپاک ونماک' کا مسئلہ کشف و وجدان کا مسئلہ ہے۔ 'آبِ حیات' کشف و وجدان کے تجربے سے محروم رہی تھی جب کہ 'سپاک ونماک' کشف و وجدان کے تجربے کی چیز ہے۔ جس تجربے سے وہ اپنی نارمل زندگی میں سفر نہ کر سکے تھے دورِ جنون میں یہ تجربہ ان کا ہاتھ تھام لیتا ہے۔ عقب سے برآمد ہونے والی یہ قوت عالمِ جنون کے تخلیقی تجربہ میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اپنی نارمل زندگی کے تخلیقی ایام میں ان کی دلچسپی کا مرکز شعر و ادب، تاریخ اور لسانیات کی دنیا تھی۔ فلسفہ

* ۷-۸۵ سٹریٹ نمبر ۶، ڈی ایچ اے، لاہور۔

ان کا موضوع کبھی نہ بن سکا تھا۔ مگر عالمِ جنون کی رو میں بڑی تبدیلی یہ نظر آتی ہے کہ وہ شعروادب سے گزر کر فلسفہ کی دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں اور جس طرح سے وہ فلسفیانہ افکار بیان کرتے ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نارمل حالت میں وہ ان افکار سے گہری دلچسپی رکھتے ہوں گے اگر چہ انہوں نے تحریری طور پر ان موضوعات پر لکھا نہ تھا تاہم جنون میں ان موضوعات کو اپنا مرکز کیوں بنالیا گیا اس پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔ فلسفہ ان کے لیے ترفع کی جولان گاہ بن گیا تھا۔ فلسفیانہ اذکار، مسائل اور افکار کا اظہار کر کے وہ جس تخلیقی عمل سے گزرتے تھے اس سے ان کی زخمی روح کو سکون پہنچتا تھا۔ کبھی کبھی میں جنون کے رسائل پڑھ کر یہ سوچتا ہوں کہ اگر آزاد پر تخلیقی اظہار کے لیے یہ دریچہ وا نہ ہوتا تو ان کی ذہنی حالت کیا ہوتی؟ تخلیقی عمل رُک جانے سے وہ بدترین جنوں کا شکار ہو سکتے تھے۔ ان کی شخصیت گھٹن کے سبب شکست وریخت کی نذر ہو سکتی تھی اس لیے تخلیقی اظہار اور کشف ووجدان کی دنیا ان کے لیے ازبس شفا بخش ثابت ہوئی تھی۔ یہ دنیا زخمی شخصیت پر مرہم لگاتی تھی۔ تخلیقی اظہار ذات کے حبس سے نجات دلوا کر ان کے لیے انخلا (Exhaust) مہیا کرتا تھا۔ انخلا کی صورت بنتے ہی کے باعث آزاد ایک طویل عرصہ تک جنون اور نیم جنون کی حالت کا سامنا کرنے کے قابل ہو سکے تھے۔

عالمِ جنون کے رسائل کا اسلوب بالکل نارمل ہے۔ زبان و بیان میں کوئی سقم نہیں ملتا۔ اسلوب کا منطقی ربط مسلسل برقرار رہتا ہے۔ یہ ایک صاحبِ فہم انسان کی نارمل تحریر نظر آتی ہے۔ جو عام انسانوں کی طرح اپنی سوچ کا اظہار کر رہا ہے۔ صرف ونحو کا نظام مستحکم رہتا ہے۔ تحریر کو پڑھتے ہوئے شائبہ بھی نہیں ہوتا کہ لکھنے والا جنون کی منزل سے گزر رہا ہے۔ البتہ رسائل کے متون میں جنون یا ذہنی آشوب کی نشان دہی آسانی سے کی جا سکتی ہے۔

صوفیا کے ہاں کشف ووجدان اور عالمِ سُکر کی نادر صورتیں ملتی ہیں۔ سُکر کا روحانی تجربہ خارجی عوامل سے انقطاع کے بعد ذات کے اندر ہی اندر چلنے کا سفر ہے۔ یہ نہایت عمیق اور گم گشتہ ذات کی منزل ہے۔ جہاں سے واپسی تک صوفی ایک مختلف دنیا میں موجود رہتا ہے۔ مگر سُکر کی حالت کا تجربہ مکمل کرنے کے بعد 'صحو' کی حالت میں واپسی ہوتی ہے۔ اور دنیا معمول پر نظر آنے لگتی ہے مگر آزاد سُکر کی حالت میں جاتے تھے تو ان کی واپسی بھی ہوتی تھی مگر واپسی پر دنیاوی معمولات کا سلسلہ جو صحو کی حالت ہے عارضی ہوتا تھا کسی وقت بھی وہ جنوں کی رو میں بہنے لگتے تھے۔

ابنارمل سائیکولوجی کے ماہرین اکثر مریضوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ جنون کی حالت میں خود کو کوئی بڑا رہنما، پیغمبر یا کوئی بڑا انسان سمجھنے لگتے ہیں۔ آزاد کے ہاں بھی یہ صورتِ حال ملتی ہے۔ 'سپاک ونماک' اسی نوعیت کا ایک تخلیقی تجربہ ہے۔ اپنی ذات کو وہ بے حد اہم سمجھتے تھے۔ تحریروں میں جگہ جگہ، تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد وہ اپنا نام لیتے ہیں۔ عظمت کا یہ تصور ان کے لاشعور پر بُری طرح حاوی ہے۔

'سپاک ونماک' کے مراقبات تلاشِ ذات کا سفر ہیں۔ یہ آزاد کے لاشعور میں گم ہو جانے والی مذہبی و فلسفیانہ بصیرت کی تلاش کا مرحلہ ہے مسئلہ یہ ہے کہ زندگی کے روشن دنوں میں تخلیق کا عمل ان کو مضطرب کیے رکھتا تھا اور آزاد اس کا اظہار کیے بغیر رہ ہی نہ سکتے تھے۔ بعد ازاں ایامِ جنوں میں بھی یہی تخلیقی عمل ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور اب اس کا اظہار جنوں کے رسائل اور مسائل میں ہوتا رہا۔ اظہار کی یہی قوت تھی جس نے ان کے لئے جنون کے رستے آسان کیے۔ علمی رسائل کے بیانات میں ان کا ترفع ہوتا رہا اور یہ ترفع ان کی طوالتِ عمری کا سبب بنتا گیا۔ اگر آزاد اظہار کی اس صلاحیت سے محروم ہو جاتے تو جنوں میں ان کا ذہنی آشوب نہایت سنگین ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے ان کو پابہ زنجیر کرنا پڑ جاتا یا پھر وہ اپنے اندر ہی اندر کی دنیا میں ہمیشہ کے لیے اتر کے گم ہو جاتے۔

'مکاشفات'، 'فلسفۂ الٰہیات'، 'جانورستان'، 'سپاک ونماک' اور دیگر غیر مطبوعہ رسائل اس شخص کی داستان سناتے ہیں جو زندگی میں معمول کے رستے پر چلتے چلتے رستہ بھول گیا تھا۔ اپنے ہمراہیوں، دوستوں اور مہربانوں کے رستے سے وہ آہستہ آہستہ الگ ہوتا چلا گیا۔ ماضی کے زمانوں میں وہ پہلے بھی سفر کرنے کا عادی تھا۔ پہلے وہ معمول کے دروازوں سے ماضی میں داخل ہوتا تھا اور مقررہ وقت کے بعد لوٹ آتا تھا۔ مگر اب جب کہ ذہنی تبدیلی کا عمل غالب آ گیا تھا وہ ماضی کے دروازوں میں داخل ہونے کے بعد نہ لوٹ سکا۔ ویسے اس کے لیے ماضی سکون کی چیز تھی اور اس کا آدرش تھا۔ جنون کے رسائل میں اس کی دوستی ماضی کے گم گشتہ کرداروں سے ہوتی گئی وہ روحوں کو بلانے والی لوح پر عمل کر کے جب بھی چاہتا میرؔ، سوداؔ یا کسی بھی شاعر سے ہم کلام ہو جاتا تھا۔ وہ ان کرداروں سے سوال کرتا اور ان کے جوابات سنتا تھا۔ (۱) غیر مطبوعہ رسالے ''صفا یہا'' میں ابوالفضل کے ساتھ اس کا ایک طویل مکالمہ بھی موجود ہے۔ (۲) رسالہ ''سراب'' میں بھی اسی قسم کا طویل مکالمہ وہ افلاطون سے کرتے ہوئے ملتا ہے۔ (۳)

آزاد کا یہ عالمِ جنون بھی غضب کا تھا۔ صحت مند زندگی میں ادب اور لسانیات کا کام کرتے رہے۔ بلند پایہ علمی کتابیں لکھتے رہے۔ اچھے ایام میں کبھی مذہب، مذہبی فلسفے یا الٰہیات اور فلسفہ کی طرف توجہ نہ دی۔ 'آبِ حیات'، 'سخندانِ فارس' اور 'دربارِ اکبری' کی تصنیف کے کاموں سے انہیں فرصت ہی کب ملتی تھی جو روحانیات اور فلسفہ کا رخ کرتے۔ ویسے بھی نارمل زندگی میں شاید یہ موضوعات ان کی تصنیف و تالیف کی زندگی سے خارج نظر آتے ہیں۔ یہ عجب ماجرا ہے کہ جنون کی منزل میں پہنچ کر ادب و لسانیات سے وہ کنارہ کش ہو گئے۔ اب ان کا ذریعہ اظہار فلسفہ اور الٰہیات بن گیا۔ تبدیلی کا یہ عمل کیوں کر واقع ہوا؟ اس مسئلہ پر سوچ بچار کرنے اور ان کے لاشعور کی گم گشتہ منزلوں کا مطالعہ کرنے کی ازبس ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جنون کے سرمائے میں ان کی صرف چار مطبوعہ کتابیں ملتی ہیں اور یہ بھی ستم کی بات ہے کہ ان کے خانوادے کے ایک اہم فرد آغا محمد طاہر نبیرۂ آزاد نے ان کتابوں کی افادیت اور ان

کے اسلوب پر قدرت نہ رکھنے کے باوجود قطع و برید سے کام لیا اور صرف دو سطریں لکھ دیں کہ:

''میں نے بہت سی بے ربط باتیں جن کا تعلق اس کتاب سے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا علیحدہ کر دی ہیں۔''(۴)

آغا محمد طاہر نے 'فلسفہ الٰہیات' اور 'سپاک ونماک' میں چلنے والی لاشعور کی رو کا ممکن حد تک گلا گھونٹنے کی سعی کی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ عالمِ جنون میں وہ فلسفے کی دنیا میں کیوں داخل ہوئے؟ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانے میں وہ اپنی اس روح کی تلاش میں نکل پڑے تھے جو بہت کھلے ذہن کی حامل تھی۔ وہ اپنے آبائی مذہب کے حصار میں مقید ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ زندگی میں وہ اپنے پرسونا (Persona) سے سمجھوتہ کر کے دن گزارتے رہے۔ تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کاموں میں وہ اس پرسونا (Persona) کو لے کر اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے عام انسان کی زندگی میں پرسونا (Persona) اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ لیکن زندگی میں اگر ذہنی خلل شروع ہو جائے تو پھر پرسونا کی ضرورت نہیں رہتی۔ جب تک انسان نارمل ہوتا ہے پرسونا قدم قدم پر ساتھ ساتھ رہتا ہے لیکن جب وہ نارمل نہیں رہتا تو پرسونا کا کردار ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ذہنی خلل ایک مختلف انسان کو سامنے لے آتا ہے جو پرسونا سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ چنانچہ آزاد کے ہاں جوں ہی جنون کی منزل قریب آئی تو دنیاوی و تہذیبی آداب سے آراستہ ان کا پرسونا (Persona) ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد ان کی پژمردہ روح کی آزادی کا دور شروع ہوا۔ ان کا لاشعور ان کو بھولی بسری باتیں سناتا رہا۔ اب وہ آزادی کے ساتھ وہ تمام باتیں سوچ سکتے تھے اور لکھ سکتے تھے کہ جن باتوں کو وہ بحالتِ ہوش اپنے معاشرہ کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اب تمام معاشرتی جبر اور قدغنیں ختم ہو گئی تھیں۔ یہ درحقیقت ان کی آزادی کا دور تھا اور انہوں نے بھرپور طور پر اس دور کو استعمال کیا۔ اب وہ پرسونا کا دور اور تہذیب کے مروجہ تجربات اور ادبی اظہار کا سفر ختم کر کے اپنے جنون کے ساتھ لاشعور کے سفر پر چلنے لگے تھے۔

اب ان کے تخلیقی باطن کا مرکز تبدیل ہونے لگتا ہے۔ شناخت کے مصادر بدلنے لگتے ہیں۔ پہلے وَلی، اَنشا اور ذوقؔ ان کے پسندیدہ کردار تھے۔ مگر اب یزداںؔ، ہیرمند، زرتشتؔ اور مہاراجہ جے چندؔ ان کے مرغوب کردار بن جاتے ہیں۔ دراصل عالمِ جنون میں جو کچھ ان کے لاشعور کی رو کہنا چاہتی ہے وہ ان کرداروں کے حوالے سے کہتے ہیں۔ اچھے دنوں میں فلسفہ کے جو مسائل ان کو عزیز رہتے تھے اب جنون کی حالت میں ان کا ذہن ان مسائل کو بڑے خضوع و خشوع سے بیان کرتا ہے۔ رسالہ 'سپاک ونماک' اگرچہ زرتشتی مسائل کا رسالہ ہے مگر ان مسائل پر قرآنی فلسفے اور فکر کا گہرا اثر ملتا ہے۔ آزاد کا خمیر جس مذہبی تہذیب سے بنا تھا اس کے اثرات ان پر ہمہ وقت طاری رہتے تھے۔ جنون میں اگرچہ اپنے آزاد اور لبرل عقائد کے سبب وہ زرتشتی اور ویدانتی فلسفہ کا ذکر تو کرتے ہیں مگر وحدانیت اور وحدت الوجودی تصورات ان پر غالب رہتے ہیں۔ مثلاً ''سپاک ونماک'' میں زرتشت کے یزداں میں جو قائم و

دائم رہنے والی حالت کا تصور ملتا ہے وہ خدائے لم یزل سے مستعار ہے ہمیشگی، استقلال، دوام، ازل سے ابد تک قائم رہنے کے تصورات، ہر شے پر ہر زمانے میں قدرتِ کاملہ کے تصورات قرآنی فلسفہ ہی کے ہیں۔ اس رسالے میں بار بار ہم ہیں ہم ہیں کے کلمات دہرائے جاتے ہیں۔ ہم بے معنی لفظ ہے شائد آزاد کا یہ کوئی کوڈ ورڈ ہے جس کی تفہیم نہیں ہوتی۔ شائد ہم میں جو تحکم ہے آزاد نے اپنے کوڈ میں اس پر بہت بڑے تحکم کا اظہار کیا ہوگا۔

ان مطبوعہ رسائل کو پڑھتے ہوئے یہ بات شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ وہ مذہب، روحانیات یا مابعدالطبیعات میں گناہ وثواب کے تصورات پر بات نہیں کرتے۔ وہ اپنی زندگی میں کی ہوئی نیکیوں اور گناہوں کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے۔ مذہبی فلسفہ کی بنیاد ہی گناہ وثواب پر رکھی گئی ہے۔ انسانی زندگی کا ہر قدم اس حوالے سے گناہ کی طرف بڑھتا ہے یا ثواب کی طرف۔ ''سپاک ونماک'' یا ''فلسفۂ الٰہیات'' میں وہ زندگی میں کیے گئے گناہوں یا ثوابوں کا ذکر بالکل نہیں کرتے۔ ان کی باطنی دنیا میں کوئی اضطراب نہیں ملتا۔ ان کی اس دنیا میں طمانیت اور سکون ہے۔ اس طمانیت کو 'سپاک ونماک' میں یزداں سے ملنے والی روحانی قدر و منزلت فزوں تر کر دیتی ہے۔ ان کو پیغمبرانہ فضیلت اور آسمانی کتاب سے سرفراز کیا جاتا ہے اور یہ پیغام بھی ارسال ہوتا ہے کہ رسالت کے اس مقام و مرتبہ کا تعین یزداں نے دو ہزار چار سو چوبیس سال اور ایشور نے چار ہزار سال قبل کر دیا تھا۔ ''سپاک ونماک'' میں زرتشت کے آسمانی صحیفوں کے لیے آزاد کو منتخب کیا جاتا ہے اور یہ وہ عظیم اعزاز تھا جو آزاد کو عطا کیا گیا تھا۔

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آزاد رات کے آخری حصے میں بیدار ہو کر تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے۔ رات کی اتھاہ تاریکی اور بے پناہ خموشی میں بیدار ہو کر جب وہ قلم اٹھاتے ہوں گے تو انہیں آوازیں سنائی دیتی ہوں گی اور یہ آوازیں صرف مولانا ہی سن سکتے ہوں گے۔ یزداں کی طرف سے ملنے والے پیغامات کو جب وہ تسلسل کے ساتھ سنتے اور لکھتے ہوں گے تو ان کی روحانی سرشاری اور باطنی انجذاب کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔

''سپاک ونماک'' میں ایک والہانہ کیفیت کا غلبہ رہتا ہے۔ یہ وہی والہانہ پن ہے جو الہامی یا روحانی کتب میں پایا جاتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جنون میں رہتے ہوئے ایسی سرشار کیفیت کیوں کر پیدا ہو سکی ہے آزاد کی محویت اور انجذاب کا عالم عجب ہے۔ ان پر آسمانی صحیفہ اترتے ہیں۔ آسمانی آوازیں تسلسل سے سنائی دیتی ہیں۔ احکامات کا سلسلہ جاری ہوتا ہے:

> ''ہم نے دیا تجھ کو اے ابراہیم زرتشت! تو لے اور پھیلا اسے جتنی تجھ میں طاقت ہے۔
> ہم دیں گے تجھے طاقت۔ تو اسے پھیلائے گا اور یہ پھیلے گا مگر جب تک تو ہے تیرے بعد کوئی نہ ہوگا!
> آج سے دو ہزار چار سو بیاسی برس بعد ایک شخص ہوگا۔ وہ ہوگا مسئل وہ ہوگا ہندی ہوگا دہلی کا، بیٹھا ہوگا

لاہور میں، وہ ہوگا ہمارا۔ ہم ہوں گے اس کے۔ وہ ہم سے مانگے گا۔ ہم دیں گے اسے۔ تو دیکھے گا اور کہے گا اے یزدان پاک! میرا فلسفہ بھی اس کو ملے۔ اس سے رواج ہوتا ہے۔ میرا نام گم ہوا جاتا ہے، میرا مذہب مٹ گیا۔ پارسیوں میں پارسائی نہ رہی پارس مسئل ہو گیا۔ یہ میرے نام کے لیے پارس گیا اور وہاں سے ناکام پھرا۔ میں نے دعا کی تو نے اسے بچایا۔ حکم ہو تو میں اسے بتاؤں۔ اے ابراہیم زرتشت! تو اس سے کہے گا۔ وہ شوق سے مانے گا۔ اس کا استاد شیخ ابراہیم ذوق تجھے کہے گا۔ میں کہتا ہوں وہ لے گا۔ تو اور وہ دونوں متوجہ ہوں گے۔ وہ ہم سے پوچھے گا ہم حکم دیں گے۔ وہ اعتقاد سے لکھنے کو بزرگی مانے گا۔ اور ہم میں ہو کر لکھنا شروع کرے گا۔

یہ ہے اس وقت کے مناسب حال جو دیا تھا ہم نے ابراہیم زرتشت کو۔ کیوں؟ تو لکھوا رہا ہے ابراہیم زرتشت؟ دیکھ ہم دیتے ہیں اور وہی شخص لے رہا ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا ۲۴۸۲ برس پہلے اور جو جو شخص اس معرکہ سے متعلق ہیں دیکھ کیسے ٹھیک وقت پر انہیں ظہور دیا ہے۔ جن جن اعمالوں کے لیے ہم نے وعدے کیے ہیں سزا کے۔ کیا ہم انہیں سزا نہ دیں گے؟ دیں گے اور دیں گے اور دیں گے۔ کیا وہ بچ کر نکل جائیں گے؟ نہیں اور نہیں اور ہرگز نہیں۔ اچھا اے ابراہیم زرتشت! اب ہم تجھے وہ دیتے ہیں جو تو نے مانگا اور دیکھ وہی شخص لے رہا ہے۔ اور ایسی مصیبت میں ہے کہ اس سے زیادہ یہ بدمصیبت دینی نہیں جانتے۔ تو بھی وہ ہماری مشیت سمجھ کر ذرا خیال نہیں کرتا اور لکھ رہا ہے۔ تو بے حواس ہوا جاتا ہے وہ نہیں۔ یہ ہے ہمارا ہم ہیں اس کے اور ہم نے اسے نام دیا پروفیسر آزاد لکھ اے پروفیسر آزاد!(۵)

''تو چاہتا ہے کہ ہو ہماری طرف ہو تو میری طرف ہَمّ ہَمّ ہَمّ ہَمّ ہیں تجھ میں۔ تو ہو ہم میں ہم کو لے اور ہو تو ہماری طرف۔ ہم ہیں اوپر اور اوپر سے بھی اوپر اور اس سے بھی اوپر!''(۶)

''ہم ہیں واحد! واحد اور ہوتا ہے احد اور ہوتا ہے۔ احد وہ ہے کہ جس کے لیے ثانی نہیں۔ سارے احادوں کو، سارے احادوں کی سارے احادوں کو سمیٹ کر ایک احد ہوا ہے۔ وہ ہیں ہَمّ ہَمّ ہَمّ۔''

''ہم اپنے عالم میں کل عالم ہیں۔ ہَمّ ہَمّ ہَمّ ہیں ہیں ہیں.....ہم ہیں اپنا وقت یہ وقت ہے اور ہے اس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، یہ ہے سرمد۔ یونان کو جو ہم نے فلسفہ دیا وہ وقت کو تین درجوں پر لے گئے۔ ان میں افلاطون اس بات کو سمجھا کہ سرمد بات ہی اور ہے۔ ہَمّ ہیں سرمد، ہَمّ ہیں سرمد، ہَمّ ہیں سرمد۔ یہ ایک حالت ہے ہماری، وقت نہیں، وقت کو قرار نہیں۔ ہم ہیں قرار، ہم ہیں قرار، ہم ہیں قرار.....زمانہ اور دہر ہم نے سمجھایا۔ سرمد کو بھی تم نے جان لیا۔ دیکھو سرمد ہَمّ ہَمّ ہَمّ ہیں! ہیں!! ہیں!!!''(۷)

ان سطور کو قلم بند کرتے ہوئے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ رات کی گہری خاموشی میں آزاد کی ہڈیوں کے پنجر

میں پیدا ہونے والی ھَـــمّ کی آواز جب ان کے سر کے گنبد سے ٹکراتی ہوگی تو ان کے بدن کے والہانہ پن میں کیسی روشنی اور کیسی سرخوشی پیدا ہوتی ہوگی۔ ھَـمّ کی آوازوں سے گونجتا ہوا ان کے بدن کا پنجر روحانی شادمانی کے سرمدی تجربات سے گزرتا ہوگا۔

'سپاک ونماک' یا 'فلسفۂ الٰہیات' میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ کشف یا مراقبہ کی حالتوں میں آزاد اپنی ذات کو ایک آسمانی طاقت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ منظر نامہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خارجی طاقت ان کو احکامات اور رشد و ہدایت کے عمل سے گزار رہی ہے۔ آزاد سراپا سپاس نشستہ ہیں اوپر سے آنے والے الہام کو ہمہ تن ہو کر بغور سن رہے ہیں جوں جوں یہ الہامی کلمات ان تک پہنچتے ہیں وہ فی الفور ان احکامات اور ارشادات کو سپردِ قلم کرتے ہیں۔

آزاد 'خشوع وخضوع' کی حالت میں نظر آتے ہیں کیوں کہ ان کے لیے یہ ساری روحانی واردات مبنی بہ صداقت تھی۔ یہ ایک صادق روحانی مکاشفہ تھا۔ مگر نفسیات یہ کہتی ہے کہ یہ Paranoid ہونے کی حالت تھی۔ اس حالت میں وہ Delusions اور Hallucinations سے گزرتے تھے۔ اس عمل کا رخ روحانیات کی طرف ہوتا تھا۔ چوں کہ وہ ایک بڑے تخلیق کار تھے اس لیے ان کا تخلیقی ذہن بڑی آسانی سے مطلوبہ ہیلوسی نیشن میں بہنے لگتا تھا۔ Delusion کی وجہ سے ان کو یہ حقیقی روحانی تجربہ محسوس ہوتا تھا اور وہ ایک بالائی طاقت کو اپنا آپ سپرد کر دیتے تھے مگر یہ سب کچھ ان کی داخلی دنیا میں ہیلوسی نیشن (Hallucination) پیدا ہونے سے تموجات کا نتیجہ ہوتا تھا۔ آزاد چوں کہ جنون کا شکار ہو چکے تھے اس لیے یہ سارے تموّجات ان کو حقیقی اور سچے معلوم ہوتے تھے۔ جنون کی ابتدائی حالتوں میں بعض مریض ہیلوسی نیشن محسوس کرتے ہیں لیکن جنون کی ابتدائی سٹیج پر ہونے کے سبب وہ یہ سمجھنے پر قدرت رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ غیر حقیقی ہے اس لیے وہ اس سے پیچھے ہٹنے کی شعوری کوششیں کرتے ہیں مگر آزاد کا جنون Deteriorated ہو چکا تھا۔ یہ جنون ابتدائی جنون کے مریض کی طرح شعوری سطح پر اسے غیر حقیقی اور باطل نہیں قرار دیتا وہ ان کیفیات کو مکمل طور پر حقیقی سمجھتا ہے۔ آزاد اسی منزل کے مسافر تھے:

> ''اے پروفیسر آزاد! یہ ہے ہمارا فلسفہ جبکہ تو دیکھے گا۔ اب ہم دکھاتے ہیں تجھے اپنی قدرۃ کہ آج سے ۲۴۸۲ برس پہلے ہم نے نماک دیا ابراہیم زرتشت کو۔ دیکھ کیسا ٹھیک وقت پر ہم نے اس کو اور جو جو اس سے متعلق تھے سب کو ملک در ملک اور گاؤں در گاؤں نموداری دی ہے۔ ہم تجھے لکھواتے ہیں اور جو کچھ ہے اسے کھول کر سمجھاتے ہیں۔ جو پڑھو گے اسے سمجھو گے اور جو سمجھو گے اسے برتو گے۔ تم ہو گے ہماری طرف۔ ہم ہوں گے تمہاری طرف۔ ہم دیں گے تم لو گے۔ اور ہو گے خوش اسی میں جو کہ مرضی ہماری ہے۔ کہو گے یہ ہے نعمت یہ ہے کرامت یہ ہے رحمت۔ جو ہو گی وہ ہم ہی میں ہو گی۔ ہم دیں گے تاثیر۔ وہ ہو گی ہماری طرف۔ ہم دیں گے اسے تمہارے دلوں پر اور دلوں

سے اور دلوں پر۔ وہ متاثر ہوں گے۔ وہ مانیں گے اور ایسا مانیں گے کہ تمہارے چھوڑنے کو جی نہ چاہے گا۔ ہم ان میں ہوں گے۔ وہ تمہیں لیں گے اور ایسے ہوں گے گویا کہ تم میں ہیں۔ وہ نہ ہوں گے اوروں کے۔ ہوں گے تمہارے۔ تم انہیں صعود پر تاثیر دو گے۔ وہ تم سمیت ہوں گے شوق ارتقاء میں۔''(۸)

مرض کی ابتدائی حالت میں وہ الواح پر روحیں بلانے کا روحانی مشغلہ کیا کرتے تھے۔ روحیں حاضر ہوتی تھیں سوال و جواب ہوتے تھے مگر آزاد جلد ہی اپنی نارمل حالت کی طرف لوٹ آتے تھے۔ مگر بعد ازاں جب Paranoid کی ایک مستقل حالت ان پر طاری ہوگئی تو پھر وہ ہیلوسی نیشن کی مکمل گرفت میں آ چکے تھے۔ ہم ''فلسفۂ الٰہیات'' یا ''سپاک ونماک'' میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ان کے ذہن کی بدلی ہوئی حالت تھی۔ اور یہ حالت تخلیقی سطح پر ان کے لیے ازبس سکون بخش ثابت ہو رہی تھی۔ ادب کے شمس العلما قرار دیئے جانے کے بعد عالمِ جنون کی روحانی سطح پر وہ رسالت کے منصب پہ خود کو فائز کر چکے تھے۔ صحت مند زندگی میں ادب و فن نے انہیں ترفع بخشا تھا اور جنون میں روحانی کیفیات اور ہیلوسی نیشن سے ان پر آسمانی صحیفے اتر رہے تھے۔ رسالت کی یہ کیفیت ان کو کس قدر مسرور کرتی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ شاید ان کی طویل دیوانگی میں اس کیفیت نے ایک اہم کردار ادا کیا ہوگا۔

آخرِ شب مولانا جس روحانی واردات کا مشاہدہ کرتے تھے دن کے اجالے میں ان تجربوں کا اظہار وہ اپنے ملنے والوں سے کبھی نہیں کرتے تھے۔ مثلاً ان کے دورِ جنوں کے بارے میں جالبؔ دہلوی نے جو کچھ لکھا تھا اس میں مولانا کے دورِ جنوں کی تخلیقی زندگی کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔(۹) اسی طرح ڈاکٹر محمد صادق نے مولانا کو اچھی طرح دیکھنے والے ایک ادیب مولوی خلیل الرحمٰن کے طویل مکتوب کا ذکر کیا ہے اور عالمِ جنوں پر یہ بڑی اہم شہادت ثابت ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صادق نے اس مکتوب کو بنیادی معلومات کے طور پر اپنے تحقیقی کام میں استعمال کیا تھا۔ یہ صاحب مولانا کے گھر بھی آزادی سے آتے جاتے تھے انہوں نے جنوں کی نوعیت کا تو سرسری طور پر ذکر کیا ہے مگر جنون سے متعلق ادب اور اس کی نوعیت کے بارے میں کوئی خبر نہیں دی ہے۔(۱۰)

اصل میں جنون کی تحریروں اور ان کے مندرجات کا ذکر مولانا کسی سے نہیں کرتے تھے۔ ان چیزوں کو وہ نجی ذخیرہ سمجھتے تھے۔ گھر میں کسی کو اجازت نہ تھی کہ وہ ان رسائل تک رسائی حاصل کر سکے۔ ان کا یہ ذخیرۂ رسائل مقفل رہتا تھا۔ مولانا اسے اپنے ہاتھ سے کھولتے اور بند کرتے تھے اور اس کی چابیاں ان کے ازار بند سے بندھی رہتی تھیں۔ اس حفاظت کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی روحانی واردات کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے اور اس میں کسی کو شریک کرنا نہ چاہتے تھے۔

''سپاک ونماک'' کی اشاعت کا قصہ بہت دلچسپ ہے۔ یہ کتاب مولوی ممتاز علی نے شائع کی تھی۔ امتیاز علی تاج کو انہوں نے بتایا تھا کہ یہ کتاب کس طرح سے حاصل کی گئی تھی اور جب آزاد کو یہ معلوم ہوا کہ کتاب کا مسودہ غائب ہے تو ان پر کیا بیتی۔ یہ ساری واردات ہم درج کرتے ہیں جس سے واضح ہو سکے گا کہ آزاد اپنے مسودات کو کتنی حفاظت سے رکھنے کے عادی تھے۔

> ''ایک روز جب مولانا غسل خانہ میں تھے تو ان کے ازار بند سے چابیاں نکال کر ڈسک کھول لیا گیا اور مولانا کا مسودہ اس میں سے نکال کر ڈسک کو پھر بند کر دیا گیا اور ازار بند دھلے ہوئے پاجامے میں ڈال دیا گیا۔ آغا محمد ابراہیم صاحب نے مسودہ لا کر ابا جان کے حوالے کر دیا۔
>
> چند روز بعد مولانا نے لکھنے کی نیت سے ڈسک کھولا اور اپنی تحریریں غائب پائیں تو ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ کس نے چوری کی۔ چوری کب ہوئی، کیوں کر ہوئی؟ گھر سے کچھ سراغ نہ مل سکا تو گھبرائے گھبرائے سیدھے ابا جان کے پاس پہنچے، فرمایا کہ وہ..... حالی میرا مسودا چرا لے گیا ہے، جس طرح بھی بنے اسے حاصل کرنے کی کوئی صورت فی الفور بناؤ۔ مولانا اتنے مضطرب تھے کہ ابا جان کو اندیشہ ہوا کہ انھیں خطرناک قسم کا کوئی دورہ نہ پڑ جائے۔ چنانچہ انھیں اطمینان دلانے کی کوشش کی اور وعدہ کیا کہ جلد سے جلد مسودہ حاصل کر کے آپ کی خدمت میں پہنچا دیا جائے گا۔
>
> والد ماجد مولوی ممتاز علی نے اسی وقت مسودا ایک منشی کو دیا اور کہا کہ اس کی ایک نقل بہت جلد تیار کر دو۔ نقل تیار ہو گئی تو اصل مسودہ تو اپنے پاس رکھا اور نقل لے کر مولانا کی خدمت میں پہنچے۔ مولانا کو مسودے کی نقل ملی تو نہال ہو گئے۔ ابا جان کو دعائیں دیں اور پھر زیادہ بات کیے بغیر مسودہ ڈسک پر رکھ، ابا جان کے سامنے ہی اس پر نظر ثانی شروع کر دی۔ اصل مسودے میں جو اعراب تھے، وہ نقل میں نہ تھے۔ مولانا نے اصل مسودے کے سب اعراب نقل میں لگا لیے۔ ایک جگہ 'ہم' کا لفظ تھا۔ اس کے اوپر تشدید اور زبر لگایا تو ابا جان نے کہا کہ یہ لفظ اگر 'ہم' ہے تو اس پر تشدید اور زبر آپ نے کیوں لگایا؟ مولانا نے فرمایا کہ یہ لفظ 'ہم' نہیں بلکہ ''ہما'' ہے۔ ابا جان نے پوچھا اس کے معنی کیا ہیں؟ جواب دیا، یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ غرض ذرا سی دیر میں ایک ایک لفظ پر وہی اعراب لگا دیئے جو اصل میں تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے کا سارا مسودہ اصل کے مطابق بنا لیا۔ یہی مسودہ بعد میں 'سپاک ونماک' کے نام سے شائع ہوا۔''(۱۱)

۱۸۹۰ء سے پہلے تک آزاد نے جو کچھ لکھا وہ عالمِ ہوش کا ادب ہے اور یہی ان کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ ان کے فن کی انتہا ۱۸۸۰ء اور مابعد کا زمانہ وہ ہے جس کے دوران میں ان کی زندگی کا حاصل 'آبِ حیات' کی شکل میں سامنے آیا۔ نیرنگِ خیال، قصص ہند، سخندانِ فارس اسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ دربارِ اکبری بھی بعد ازاں مکمل ہو گئی تھی مگر اس کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ اس وقت آزاد جنون کے عارضے کا سامنا کر رہے تھے۔ یہ سارا کام ان کی

پبلک ورلڈ کا ہے اس زمانے میں ان کے گرداں قدر علمی وادبی آثار پبلک کے سامنے پیش ہوکر زبردست خراجِ تحسین وصول کررہے تھے۔ ۱۸۹۰ء کے بعد آزاد نے اپنی کوئی بھی کتاب خود شائع نہیں کی۔ دورِ جنوں کی کتابیں مولوی ممتاز علی، آغا ابراہیم، اور آغا طاہر نے شائع کیں۔

۱۸۹۰ء کے بعد جب وہ دورِ جنون کی منزلوں سے گزر رہے تھے۔ اس زمانے میں بھی ان کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ تسلسل سے جاری رہا۔ قدرت نے ان کو تحریر کی جو بے مثال صلاحیت عطا کی تھی وہ ان کی باقی ماندہ زندگی میں ان کی قوتِ حیات کے طور پر کام کرتی رہی۔ یہی قوت مستقبل میں بیس برس تک ان کو تھامے رہی۔ اظہارِ ذات کے باعث ان کا تزکیۂ نفس ہوتا رہا۔ اور تزکیۂ نفس کے اس عمل سے ان کی ذہنی قوتیں متحرک رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تصنیف وتالیف کے مشاغل ان کے ذہنی ترفع کا سبب بنے اور اس سے ان کے ذہنی آشوب کی حالتوں کا گراف بھی نیچے گرتا رہا۔

سلمان باقر نے ان کے دورِ جنوں کے رسائل کی جو فہرست تیار کی ہے اس کے مطابق ان رسائل کی تعداد چورانوے (۹۴) بنتی ہے۔ ان میں چھوٹے بڑے اور بہت مختصر رسالے بھی شامل ہیں[۱۲] ان میں سے صرف چند رسالے شائع ہوئے ہیں یا ان کا تعارف شائع ہوا ہے۔ ان رسائل کے مواد کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سارا کام زمانۂ ہوش کی طرح سے پبلک ورلڈ کا کام نہیں ہے یہ ان کی پرائیویٹ ورلڈ کا کام ہے۔ اس دور کا مواد ان کے باطنی مرکز کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے جس میں فلسفہ اور روحانیات کا عنصر غالب ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ذاتی زندگی کے مسائل اور واقعات کے اذکار بھی ہیں۔ اس دور کے تصنیفی سرمایہ کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مولانا کے ذہن میں وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے Stray Refletions کا ایک طویل سلسلہ ہے جو ان کی وفات تک جاری رہتا ہے۔ یہ وہ افکار، تصورات اور اذکار ہیں کہ اپنی معمول کی زندگی میں وہ شاید ان پر کبھی بھی نہ لکھ سکتے۔ برطانوی دور کے واقعاتِ سن ستاون کے آشوب اور انگریز افسروں بالخصوص ایچی سن کو انہوں نے جس طرح سے یاد کیا ہے ہوش کی حالت میں وہ کبھی بھی ایسی تحریریں قلم بند نہ کرسکتے تھے۔ مگر ان کے ذہنی آشوب سے ملنے والی آزادی نے ان کو یہ موقعہ فراہم کردیا تھا کہ وہ جو بھی چاہیں لکھ سکتے تھے۔ اپنے بیٹے آغا ابراہیم کے خلاف انہوں نے جو نفرت ظاہر کی ہے اس کا اظہار وہ عام زندگی میں نہ کرسکتے تھے۔ اسی طرح سے اپنے ننھے ننھے پوتوں کی ایک دردانگیز صورتِ حال انہوں نے بیان کی ہے:

> ''۔۔۔ دیکھ زرتشت جبکہ ہم یہ کتاب پروفیسر آزاد کو لکھواتے ہوں گے۔ بیٹا اس کا ابراہیم باپ کا دشمن ہوگا اور ایسا دشمن، کہ دشمنِ قاتل، گھڑی بھر دشمن سے یک جا ہونا مشکل ہے۔۔۔

وہ مضمحل ہو جائے گا۔ تب ہم کہیں گے۔ ''کیوں ہم تجھے بچا لیں؟'' وہ کہے گا۔ ''میرے پاک پروردگار! تو مجھ کو بچا لے۔'' ہم کہیں گے۔ ''اچھا اب بچا'' ۔۔۔ ہم کہیں گے پروفیسر آزاد سے۔ ''جاؤ تم نیاز بیگ میں۔ وہاں تم ملو گے ایک عورت سے۔ وہ تمھیں اپنے باپ کی طرح لے گی اور کھلائے گی، جو تم چاہو گے۔'' وہ منظور کرے گا، ہمارا حکم سمجھ کر۔۔۔''(۱۳)

شاید وہ یہ باتیں بھی نہ لکھتے۔ تہذیب، رکھ رکھاؤ، معاشرتی آداب کی قدغنیں ان کو اس میدان میں قدم نہ رکھنے دیتیں مگر ان کے ذہنی آشوب کے نتیجہ نے ان کو اظہارِ ذات کی مکمل آزادی دے دی تھی اور یوں ان کے جنون کے سبب سے ان کی پرائیویٹ ورلڈ کی دنیا ہم پر کافی حد تک روشن ہوگئی ہے۔ جنون نے تہذیب و سیاست کی پابندیوں کو ایک طرف رکھ کے اپنے اندر کی دنیا کے دروازے کھول دیے تھے۔

آزاد کی پرائیویٹ ورلڈ کا زمانہ وہ ہے کہ جب اپنی سائیکی کے خلاف ان کی عمر بھر کی جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ برطانوی دور میں استعمال کیے جانے والے پرسونا (Persona) سے آزاد ہو چکے تھے۔ انگریز کے خوف سے وہ بے نیاز ہو چکے تھے۔ ان کی داخلی دنیا ان کے لیے آزادی کی علامت بن گئی تھی۔ یہ ذہنی آزادی کا دور تھا جس میں وہ سکون و عافیت محسوس کر رہے تھے۔

ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو مولانا کا جنون ان کی باطنی زندگی کے انکشاف کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا تھا۔ یہ جنون ہی تھا کہ جس کے ذریعے سے ہم ان کی داخلی زندگی کے بے شمار رموز سے واقف ہو سکے ہیں۔ عالمِ ہوش کی دنیا میں ان کی پرائیویٹ ورلڈ پر پردے پڑے نظر آتے ہیں مگر پبلک ورلڈ کے لیے وہ جو کچھ کام کر رہے تھے اس میں باطنی زندگی کے امور پر لکھنے کی گنجائش ہی نظر نہ آتی تھی۔ پبلک ورلڈ میں ان کے ادبی و علمی شعور کا زبردست مظاہرہ ہوا تھا اور پرائیویٹ ورلڈ میں ان کی داخلی دنیا ہم پر منکشف ہوئی ہے۔ مولانا کی زندگی کی ان ہر دو دنیاؤں کا مطالعہ کر کے ہی ہم محمد حسین آزاد کو مکمل طور پر سمجھ سکتے ہیں اور آزاد شناسی کا یہی راستہ معلوم ہوتا ہے۔

آزاد درویشی اور علم و ادب کی اس روایت پر یقین رکھتے تھے کہ علم کو مرکوز فی الذات نہ کرنا چاہیے، اسے فردِ واحد کی میراث نہ سمجھنا چاہیے بلکہ روایت در روایت فیضِ جاریہ کی صورت آگے پہنچانا چاہیے کہ مشرقی روایت کا شیوۂ تہذیب یہی تھا۔ علم اور درویشی کا یہ شیوہ آزاد کے لاشعور میں نقش ہے اور وہ اس روایت کو ہمہ وقت دہراتے رہتے ہیں۔ کسی ایک مقام پر نہیں بے شمار مقامات پر وہ اس روایت کا ورد کرتے ہیں۔

فلسفۂ الٰہیات میں ہند کے مقامی طرزِ احساس کا غلبہ ہے۔ فلسفہ کی اصطلاحات ہندی الفاظ میں قلم بند کی ہی طرزِ فکر میں اہم تبدیلی موجود ہے وہ اسلام کے دائرے سے نکل کر ہندی دیومالا کے دائرے میں چلے آتے ہیں۔

''پتا کا جامیا'' آگہی کا راستہ ہے۔ یہ مقامی ہندی طرزِ احساس کی آگہی ہے۔ آگہی عطا کرنے والا کون

ہے؟ یہ ہندی دیومالا کا ایشور ہے۔ اور لینے والا کون ہے؟ یہ ایشور کا بندہ راجہ جے چند ہے اور یہ راجہ جے چند کون ہے؟ یہ آزاد ہے۔ عالم شعور میں جو ممکن نہ تھا عالمِ جنون میں ممکن ہوا۔ آزاد جو عالم ہوش میں بندۂ علی تھا اب بندۂ جے چند ہو گیا ہے عالم ہوش میں آگاہی کا رستہ اللہ دکھاتا تھا اب یہ رستہ ایشور دکھا رہا ہے۔ یہ کایا کلپ کی منزل ہے جسے عالمِ جنون نے طے کیا ہے۔ ایشور کیا ہے؟ یہ اللہ ہی کی توسیعی صورت ہے وہ اللہ جو بندگان کو دیتا ہے بکثرت دیتا ہے۔ بن مانگے دیتا ہے۔ راجہ جے چند کا ایشور ایسے کردار کا مالک ہے اور آزاد کے مسلک میں علی کا بھی یہی کردار ہے۔ ایشور ہی اللہ ہے اور علی ہے:

> ''اے میرے ایشور میں نے تجھے پایا۔ تو نے مجھے پایا۔ اب مجھے ان کی کیا پروا۔ اے میرے بندے تجھے کیا خبر ہے۔ وقت ہوگا کہ تجھے یہ سخت ایذا ہوگی اور تو نہ کر سکے گا کچھ۔ ہم ہوں گے یہاں۔ تو ہوگا ناسوت میں ہم کچھ نہ کر سکیں گے تو ہوگا زاری میں۔ ہم ہوں گے بیزاری میں اور کہیں گے۔ جاؤ بے ایمانو۔ جاؤ بے ایمانو۔ ہو گے نہ ہو گے۔ ہو گے نہ ہو گے۔ ہم ہیں اپنے کام میں۔ تم ہوئے ناکام۔ دیکھو یہ ہے ہمارا کام ہم ہیں کہ کرتے ہیں پورا فلسفۂ الٰہی کو۔ اور دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں۔ تھے ہم سری مہاراجہ جے چند ہوئے ہم پروفیسر آزاد دیکھو یہ ہیں ہم۔ ہم یہ ہیں۔ تم یہ نہیں۔ اے ایشور مہاراج کونسا وقت وہ۔ کہ میں رہوں۔ یہ نہ ہوں۔ میں تو ہوں کام میں۔ یہ ہوں نکّمے۔ میں نے انہیں دیکھا ہے ایسا۔ انہوں نے بھی دیکھا ہے۔ مگر نہ سمجھے۔ اب ہیں بدتر۔ ہوں بدتر سے بدتر۔ یہی ہے حال کہ آج سے دو دن کے بعد یہاں کوئی دیکھے گا کہ یہ کہاں ہے؟ یہ ہے ہماری حکمت جس دن اسے پورا کریں گے ہوگا فلسفہ آج ہم پتا کا ماحصل لکھواتے ہیں۔''(۱۴)

جنون کے آثار میں ذہنی مریض کی بہت سی کیفیات اور علامتوں کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ ذہنی تفسیر کی حالتوں میں ایک حالت وہ بھی ہے جس میں ازبس یاسیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس عالم میں اس جہاں کی ہر شے سے طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔ وہ سب کچھ جو بہت اچھا لگتا تھا اب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا ہے۔ یہ مریضانہ حزن اپنی انتہا تک بھی لے جا سکتا ہے۔ جس کی منزل خودکشی بھی ہو سکتی ہے۔

ہمارے پاس آزاد کے عالمِ جنون کے جو رسائل موجود ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی شدید جنون کی کیفیات کے تجربے نہیں ملتے ہیں۔ وہ جنون کے شدائد کا سامنا نہیں کرتے ہیں۔ ولیم جیمز (William James) نے ''نفسیاتِ وارداتِ روحانی'' میں جنون کی جن حالتوں کا ذکر کیا ہے وہ آزاد کے ہاں نہیں ملتی ہیں۔ ان کے رسائل میں نہ حد سے بڑھی ہوئی یاسیت مسلط ہے اور نہ ہی دنیا سے جی کے اچاٹ ہونے یا شدید بیزاری کے آثار ملتے ہیں۔ نہ ہی وہ خارجی دنیا کے مظاہر کی تباہ کاری کو محسوس کرتے ہیں۔ ایسے مناظر بھی نہیں ملتے جن میں قتل، خون،

آگ اور دھوئیں کی علامتیں ملتی ہوں۔کوئی عمارت گرئی ہوئی نظر نہیں آتی۔اپنا آپ جلتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔روشنی کی جگہ تاریکی کا غلبہ بھی نہیں ہے کسی قسم کی انجانی سی دہشت کے آثار بھی نہیں ہیں۔خوف کی مستقل کیفیت بھی نظر نہیں آتی ہے۔مستقل طور پر طبیعت کی پستی، ڈیپریشن کا تسلط، بھاری سانسوں کی کیفیت بھی ان رسائل کا حصہ نہیں ہے۔نہ ہی گناہ کی اتھاہ حالتوں کا بیان اعتراف گناہ کی قبولیت کا تسلسل، اوہام کی کڑی گرفت یا زندگی سے مجموعی طور پر نفرت کا ذکر پایا جاتا ہے۔مندرجہ بالا تجربات جنوں کے رسائل کے موضوعات نہیں ہیں۔دراصل وہ جنون کا شکار تو تھے مگر اس جنون کی حالتوں میں شدائد بہت کم ملتے ہیں۔اس کا بڑا ثبوت یہ شائع ہونے والے رسائل ہیں۔البتہ عملی زندگی میں کہیں کہیں درمیانے درجے کی شدتوں کا ذکر مل جاتا ہے۔

ذہنی خلل کا شکار ہونے کے بعد مولانا کی نفسی حالت عموماً کس قسم کی رہتی تھی اس کے بارے میں بہت ہی کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔مولوی خلیل الرحمٰن نے ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر محمد صادق کو جو معلومات اس سلسلے میں بہم پہنچائی تھی اس میں جنون کی کیفیت کے کچھ اشارے ملتے ہیں۔ہم یہاں کچھ ایسے واقعات درج کرتے ہیں جن میں جنوں کے واضح اشارے موجود ہیں۔ان واقعات میں جن باتوں کو آزاد سے منسوب کیا گیا ہے یہ باتیں ادب آداب، تہذیب اور شائستگی کے دائرے سے خارج سمجھی جاتی ہیں اور بالخصوص آزاد جیسے شخص کا زبان سے ایسی باتوں کا نکالنا ناممکن نظر آتا ہے مگر یہ جنون کی رو تھی کہ جس میں بہہ کر وہ تہذیب و آداب کی عمومی حدیں عبور کر گئے تھے۔پہلا واقعہ یہ ہے کہ گھر میں جمعدارنی آتی ہے، جھاڑو دینے لگتی ہے، گرد مولانا کو بہت ناگوار گزرتی ہے:

> ''چوڑھی آئی۔وہ جھاڑو دینے لگی۔اس سے بڑی گرد اُڑی اب کیا تھا، آزاد چیخ اٹھے اور باآوازِ بلند فرمانے لگے ''ابرو کی ماں! کتنی دفعہ تم سے کہا ہے کہ چوڑھی کے آنے سے پہلے یہاں چھڑکاؤ کرادیا کرو'' انہوں نے کہا ''ابھی بہشتی نہیں آیا، چوڑھی سے کہہ دو کہ جھاڑو نہ دے'' اس کا جواب مولانا نے دیا ''بہشتی نہیں آیا تھا تو تم نے ہی ذرا کھڑے ہو کر مُوت دیا ہوتا کہ گرد تو بیٹھ جاتی۔''(۱۵)

ایک اور واقعہ مولوی خلیل الرحمٰن کی زبانی:

> ''مجھے دیکھ کر بہت اخلاق سے پیش آئے۔بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے اور اچھی طرح ہوش سے۔کچھ بگڑنے لگے تھے کہ اتفاقاً ایک بڑھیا آئی۔مولانا نے پوچھا ''مائی کی کہندی ایں (مائی! کیا کہتی ہو؟) اس نے کہا ''تھوڑی جئی مستی چاہیدی اے، سر دھون لئی۔ اوصبون والا کدر گیا؟'' (تھوڑی سے مستی چاہیے سر دھونے کے لیے وہ صابن والا کدھر گیا؟) [ڈیوڑھی میں ایک شخص صابن بنایا کرتا تھا اور ''مستی'' اس چیز کو کہتے ہیں جو صابن کے اوپر آجاتی ہے] مولانا از راہ شفقت اٹھ کر بڑھیا کے پاس پہنچے اور کہنے لگے ''مائی اب تو ہم بوڑھے ہو گئے۔اب مستی کہاں'' وہ غریب

شرمندہ ہو کر چلی گئی اور میں بھی موقع پا کر بھاگ گیا۔''(۱۶)

جنون کی کیفیات کے باعث روزمرہ زندگی کے اسلوب میں ان کے ہاں گفتگو میں منطقی ربط کی جو شکستہ صورتیں ملتی تھیں ان کا ذکر جالب دہلوی نے کیا ہے:

''دو چار فقروں کے بعد سلسلۂ گفتگو کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اور سامع ربط کو ٹٹولتا رہ جاتا ہے۔ بعض اوقات کوئی لفظ آپ کو کسی خاص واقعے کی یاد دلاتا ہے اور بلاضرورت اُس کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے مگر بہت کم وہ خاتمے تک پہنچتا ہے۔ چوں کہ معلومات کی غیر معمولی وسعت اور الفاظ کی حد سے زیادہ کثرت نے ایک نہایت فراخ میدان آپ کے لیے مہیا کر رکھا ہے اس لیے ذہن پوری آزادی سے اس میں ہر طرف دوڑتا پھرتا ہے اور ایک سرے تک پہنچنے نہیں پاتا کہ دوسری طرف کوئی رنگین پھول دیکھ کر اُدھر مڑ جاتا ہے، اور اُدھر جاتے جاتے پھر پلٹ پڑتا ہے۔ گویا آپ کا عنقائے خیال ہر وقت فضائے لامکان میں پرواز کرتا رہتا ہے اور کبھی کبھی زمین کی طرف متوجہ ہو کر نیچے اترنا شروع ہو جاتا ہے کہ فطری رفعت پسندی پھر اُس کا رخ بدل دیتی ہے اور اوپر بلا لیتی ہے۔''(۱۷)

ایک زمانے میں روس کا بڑا ناول نگار ٹالسٹائی ذہنی آشوب کا شکار ہو کر ٹوٹ پھوٹ رہا تھا اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ جیسے اس کے اندر کی کوئی چیز ٹوٹ گئی ہے کہ جس پر زندگی کا دارومدار تھا۔ اور اس کے بعد زندگی میں کوئی بھی سہارا باقی نہ رہا تھا۔ اور اسے کوئی منزل نظر نہ آتی تھی۔(۱۸) مولانا کی تحریروں میں ٹالسٹائی جیسے محسوسات نظر نہیں آتے۔ دراصل وہ اندر سے چاہے جتنے بھی ٹوٹے پھوٹے ہوں وہ زندگی بسر کرنے کے سہارے سے محروم نہیں ہوئے۔ ادب و فن ان کا سہارا تھے۔ اظہار کی قوت ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھی اور جب وہ ذہنی آشوب میں مبتلا ہوئے تو اپنے اندر ہی اندر سفر کرنا شروع کیا۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اس سفر کے آغاز ہی سے وہ ادب و فن اور لسانیات کی جگہ فلسفہ، روحانیات، تصوف اور مذہب کی طرف شفٹ کر گئے۔ ان علوم کا اظہار ان کا بہت بڑا سہارا بن گیا۔ تخلیقی اظہار کے مراحل میں وہ ماورائیت (Transcendentalism) کی باتوں میں ترفع محسوس کرنے لگے اور جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ آسمان ان پر مہربان ہے اور قدیم صحیفے از سرِ نو ان پر اتارے جا رہے ہیں تو ان کی ذات روحانی بلندیوں کو چھونے لگی اور جب ان کو یہ خبر ملی کہ قدیم صحائف میں ان کے بارے میں پیش گوئیاں موجود ہیں تو ان کی ذات از بس مسرور ہوتی گئی:

''دیکھ زرتشت یہ ہے پروفیسر آزاد! اس پر ہماری قدرت کا وعدہ پورا ہوا۔ یہ ہوگا اس وقت ایسا اور اس سے زیادہ۔ ہم اسے لیں گے اپنی طرف۔ یہ ہوگا ہماری طرف لکھے گا سپاک کو اس وقت کی زبان میں۔ ہم اسے اردو کہوائیں گے۔ اسے اس علم کا شوق ہوگا۔

لکھ اے پروفیسر آزاد! ہم نے نماک دیا تھا ابراہیم زرتشت کو اس کی زبان میں۔ وہی تھی اس وقت ایران کی زبان۔ اب ہم تجھے دیتے ہیں تیری زبان میں۔ تجھ سے لے ہند۔ ہند سے لے ایران و روم۔ دیکھ تمام مہاراجگان ہند کے تیری طرف کان لگائے ہوئے ہیں تو ہو ہماری طرف کہ ہم ہوں تیری طرف۔ تو ہو ملتجی۔ دیکھ ہم کیونکر دیتے ہیں تجھے۔ ہم نے تجھے سپاک دیا تو نے جس احتیاط سے لکھا۔ جب دیکھیں گے سب اس کے پرتوہ سے اپنی کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل کریں گے۔ تو ان سے زیادہ خوش ہوگا اور وہ تجھ سے۔ ہم ان سے فلسفہ کی جستجو کو وہ روشنی دیں گے جسے لے کر ہماری طرف راہ لیں گے۔ ہم انہیں ناامید نہ کریں گے۔ وہ جتنا ہماری طرف آئیں گے اتنا ہی پائیں گے۔

سپاک ہم نے ابراہیم زرتشت کر دیا پہلے۔ وہی تجھ کو دیا۔ پھر نماک اسے دیا۔ وہی پھر تجھ کو یا۔ اب ہم تجھ کو راہ دکھاتے ہیں اپنی طرف اور لکھواتے ہیں وہ جو نہ ہوا تھا اب تک عالم قدس سے عالمِ ناسوت پر۔ وہ نماک میں تھا مگر نہ دیا تھا۔ اب ہم دیتے ہیں۔''(۱۹)

اس مقام پر ہم اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ صحائف سے حاصل ہونے والی مسرت اور آگاہی صرف ان کی ذات تک ہی محدود رہی۔ ان کے رسائل میں یا ان کی زندگی کے اس دور کے متعلق ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ مولانا دن کے دوران میں گھر کے اندر یا باہر کی دنیا میں احباب سے اپنے روحانی مراتب کا تذکرہ کرتے ہوں یا اپنی رسالت یا اوتار ہونے کی خبر دیتے ہوں۔ آزاد آخر شب میں ان منازل سے گزرتے تھے۔ رات کی سیاہی اور خموشی میں یہ سب کچھ پردہ میں رہ جاتا تھا۔ صبح ہوتی وہ گھر سے برآمد ہوتے۔ لاہور شہر کی فصیل کے باہر گھنے باغات میں چلتے پھرتے، سلام کرنے والوں کو دعائیں دیتے۔ جاننے والوں سے ملتے، کربلا گامے شاہ کو جاتے صوفیا کے مزارات پر حاضری دیتے اور یوں دن بھر مصروف رہتے۔

ذہنی آشوب میں ان کی زندگی کا عمومی رویہ درویشانہ تھا۔ ان کا تعلق صبر و رضا کی تہذیب سے تھا۔ اور وہ اس تہذیب کے ایک باوقار شہری کی طرح زندہ رہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جنون کے مصائب کو صبر و تحمل سے برداشت کر گئے۔ ان کے درویشانہ مسلک کو سمجھنے کے لیے ہم ''سپاک و نماک'' کے ایک غیر مطبوعہ حصے کو یہاں درج کرتے ہیں:

''۔۔۔ وہ اخیر دن تھا۔ تو ۵ کورس کی گردش کر کے آیا اور کیسا خوش آیا کہ کام تو آج ہوا۔ پراچھا ہوا۔ گھر میں آیا کہ اب کچھ کھاؤں گا اور آرام کر لوں گا۔ کیسی محبت سے اُسے کہا۔ ''بیٹی! لاؤ کچھ کھائیں'' وہ منہ مسوس کر بولی۔ ''ہمارے پاس تو آج کچھ ہے نہیں۔ ہم بھی بھوکے بیٹھے ہیں۔'' ''ہم حیران! دیکھ پروفیسر آزاد! تو حیران! تمام جواہر مجردہ حیران۔'' ہم نے کہا۔ ''جا بازار سے کھا لے۔''

تو نے عرض کیا ''اے پروردگار! حضرت سے ۱۰ روپے آئے ہیں۔ یہ چاہتی ہے دسوں روپے لے لے۔'' ہم نے کہا۔ ''تو جالا ہور کو۔'' تو نے کہا۔ ''ابھی؟'' ہم نے کہا ''ابھی۔'' تو نے اسی حالت میں آرام ایک پل نہ لی اور بیگ میں کپڑے ڈال (کن ٹوپ اور اس کی چھوٹی سی رضائی بھی وہیں چھوڑی) اور چل کھڑا ہوا۔ راہ میں کہیں اسٹیشن پر کھانا نہیں تھا۔ اللہ کے نام پر تجھے دو مٹھی آٹے کی روٹی ایک چوڑ ہے سے ہم نے دلوائی۔ تو نے اس میں رات کاٹی۔ ہم نے یہ دن بھر گزارا۔ رات کے نو بجے تو لاہور میں پہنچا۔ غنیمت ہے کہ بیٹے نے دروازہ کھول دیا۔ جاڑے میں کیا ہوتا ہے؟ ہم جانتے ہیں کیا ہوتا ہے۔۔۔''(۲۰)

۱۸۹۰ء کے بعد آزاد مستقل طور پر جنون کی گرفت میں چلے جاتے ہیں۔ اس دور میں ان پر روحانیات کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ اثر اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ مولانا یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کی زندگی کے تمام مسائل اور مراحل کے لیے ان کو ''اوپر'' سے احکام اور ہدایات ملتی ہیں اور وہ زندگی کا ہر قدم ان احکامات کی روشنی میں اٹھاتے ہیں۔ اتفاق سے ہمیں منشی ذکا اللہ کے نام دورِ جنون کا ایک خط ملتا ہے۔ جس میں جنون کے اس طریق کی بخوبی طور پر وضاحت ہوسکتی ہے:

اگرچہ جوہرِ ہوا میں پرسوں کے مینہ سے خنکی تھی مگر وہ آفتاب کی گرمی کو توڑ نہ سکتی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک بجے عمل میں سے فارغ ہوا۔ عمل خواب ہوا۔ رات ٹھنڈی، ہوا جان بخش تھی۔ مگر قسمت کی بات کہ حکم ہوا ذرا آرام لے لو۔ کم بخت آرام جس نے ہشیار کیا۔ اس وقت کہ چند منٹ بعد چار بجے، ہزار لعنت اپنے حال پر کر کے اٹھا۔ پیٹ خام، ناصاف۔ فقط روح الارواح کے کرم سے ہضم صالح کے ساتھ معمولی اجابت ہوئی۔ یہ نہ ہوتا تو غضب ہوتا۔ اس وقت حکم ہوا کہ ''تربوز کھا لو''؛ احتیاط نے انکار کیا، حکم ہوا کہ ''نہ کھاؤ گے تو قدم نہ اٹھا سکو گے پھر ہوا خوری کون کرے گا؟'' تربوز کھایا مگر بے لطف؛ ڈرتے ڈرتے چلنے لگا تو بندوں میں درد اور کیفیت بخار کی سی محسوس ہوئی۔ حکم ہوا کہ ''یہ اسی غفلت کی برکت ہے جس نے تین گھنٹے تک بے خبر سلایا، اور یہ عمل مبارک کی برکت ہے۔''

''چلتے ہوئے حکم ہوا ''یہاں لیٹ کر برداشت کا عمل کرو''، چناں چہ ہوا، مگر کچھ نہ ہوا تھوڑی دور آگے چل کر درختوں کی قطار نے سایہ ڈالنا شروع کیا۔ جاتے ہوئے جو ہوا سامنے سے زندگی دیتی تھی اب پشت پر ہوگئی تھی۔ حکم ہوا کہ ''رخ پھیرو، ذرا ٹھہرو، دم لو، تبدیل کرلو۔'' حقیقت میں لطف عجیب حاصل ہوتا جاتا تھا، سینہ ہلکا ہوتا تھا، گھبراہٹ تھم جاتی تھی۔ جوہڑ کے کنارے پر پہنچے تو ہوا کی لہریں پانی سے مباحثہ کر رہی تھیں؛ حکم ہوا کہ یہیں ٹھہرو اور ہوا تبدیل کرلو۔ لطف ہائے مذکورہ کا اثر قوی ہوگا اور آنکھوں کی لذت نفع زائد ہے۔ اتنے سے مقام پر تین جگہ توقف ہوئے مگر یہی ارشاد تھا کہ دھوپ نے ہوا کو گرما دیا۔ بڑھو آگے۔ رستے میں حرارت رفتار خواہ حرارتِ ہوا سے جا بجا کلیدان

ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا، اور میں سنبھالتا بھی تھا تو لعاب دہن کا نگلنا اسے تھوڑی تھوڑی دور پر توڑ دیتا تھا۔ تھوڑی دور چل کر باغ میں داخل ہوا، یہاں ایک جگہ بیٹھ کر ہوا تبدیل کی۔ شیشم کا ہرا بھرا درخت، اس کی شادابی کا لطف، ٹھنڈی ہوا کی موجیں۔ حکم ہوا کہ ''یہاں رات کا سامان کر کے بیٹھو'' میں شرما کر اٹھا کھڑا ہوا۔ رستے میں کئی جگہ بیٹھنے کو جی چاہا مگر حکم یہی تھا کہ ''چلو جلدی اور کچھ کھاؤ۔''(۲۱)

مولانا کا جنون بظاہر مستقل طور پر نظر نہ آتا تھا۔ مولوی خلیل الرحمٰن کا کہنا یہ تھا کہ ان کی دیانگی عجیب تھی پانچ دس منٹ، بعض اوقات آدھا پونا گھنٹہ، بہت اچھی طرح باتیں کرتے ملتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ دماغ پر کوئی اثر نہیں۔ حافظہ اور دل اچھا ہے۔ یکا یک دیوانگی شروع ہوگئی۔ لوگ دھوکے میں رہتے تھے اور حیران ہوتے تھے۔(۲۲)

مولانا کے ہاں جنون میں شدت کے مظاہرے ان کے آخری دور میں ملتے ہیں۔ مثلاً جنون کے عالم میں لاہور سے دلی کا سفر۔ اور دلی سے علی گڑھ کا سفر۔ اسی طرح سے کربلا گامے شاہ میں بیٹھنے کا زمانہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر دسترخوان میں روٹی آتی تھی تو دسترخوان جلا دیتے تھے۔ چینی کی رکابیوں میں سالن دیا جاتا تھا تو ان کو توڑ کر پھینک دیتے تھے۔ تانبے کی رکابیاں یا غوریاں دی جاتی تھیں تو راہ چلتے کو دے دیتے تھے۔ اچھے اور ستھرے کپڑے ادھر پہنائے ادھر پھاڑ دیتے تھے اور چیتھڑے بنا کر پھینک دیتے تھے۔(۲۳)

جیسا کہ ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ ان رسائل میں جنون کی شدید حالتیں نظر نہیں آتی ہیں۔ جنون پیدا ہونے پر جب ذہنی حالت میں تغیر شروع ہوتا ہے تو اس کی علامتیں تیزی سے نظر آنے لگتی ہیں۔ بعض مریضوں کے اندر اس تغیر کے سبب عمومی زندگی کا منظر نامہ متغیر ہو جاتا ہے۔ نارمل سے ابنارمل زندگی کا تجربہ سب کچھ بدلا ہوا دکھا سکتا ہے۔ مریض کو پتہ نہیں چلتا کہ اس کے ساتھ کیا کچھ ہو گیا ہے۔ مگر جب وہ ذہنی علاج کے ذریعے ابنارمل زندگی سے نارمل زندگی کو مراجعت کر جاتا ہے تو اسے ماضی کے منظر یاد آنے لگتے ہیں۔ ولیم جیمز نے اپنی کتاب ''نفسیاتِ وارداتِ روحانی'' میں فلسفی گواٹری کے کچھ اس قسم کے تجربات کا ذکر کیا ہے جس سے ہماری بات واضح ہو سکے گی:

> ''مجھے پر ایسی شدید وحشت طاری ہوتی تھی کہ رات کو اچانک میری آنکھ کھل جاتی تھی اور میں محسوس کرتا تھا کہ پانتھیون کی عمارت مدرسۂ فنون پر گر رہی ہے یا مدرسے کو آگ لگ گئی ہے یا دریائے سین غاروں کے اندر الٹ رہا ہے اور پیرس کا شہر غرق ہو گیا ہے۔ ان دہشتوں کے رفع ہو جانے کے بعد بھی مجھے ناقابل علاج اور ناقابل برداشت ویرانی اور مایوسی محسوس ہوتی تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ میں خدا کی جانب سے ملعون اور مردود ہو گیا ہوں اور ایک طرح سے جہنم میں ڈال دیا گیا ہوں۔ اس سے قبل مجھے جہنم کا کبھی خیال تک نہیں آیا تھا۔ افکار یا مباحث میں کبھی جہنم کی حقیقت یا اس کا

خوف مجھے متاثر نہ کر سکا تھا لیکن اب میں اپنے تئیں جہنم میں محسوس کرنے لگا۔ اس سے زیادہ عذاب کی بات یہ تھی کہ جنت کا ہر قسم کا خیال دل سے محو ہو گیا اب میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی ایسی شے بھی ہو سکتی ہے۔ اب میرے نفس کے سامنے ایک خلا ہی خلا تھا۔ بے حقیقت ہستیوں کی ایک وہمی جنت دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں بھی بے مایہ معلوم ہوتی تھی ایسی جگہ پر رہنے کا خیال میرے لیے کسی طرح لذت آفریں نہ تھا۔ مسرت، سعادت، نور، محبت یہ تمام الفاظ میرے لیے بے معنی ہو گئے۔ میں ان کے وجود ہی کا قائل نہیں رہا تھا اور ان کے بیان سے میرے اندر نہ کوئی امید پیدا ہوتی تھی اور نہ کوئی لذت۔ میری یہ ناگفتہ بہ حالت ناقابل تسکین تھی۔ سعادت اور کمال میرے لیے کوئی نصب العین نہ تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بس ابدالآباد تک ایک برہنہ چٹان پر بیٹھا رہوں گا۔''(۲۴)

آزاد کے رسائل میں اس قسم کی خوف ناک تصویریں موجود نہیں ہیں۔ انہوں نے تصوف، روحانیات اور ماضی کے جن تصورات میں پناہ لے لی تھی ان کی وجہ سے وہ بہت محفوظ رہے۔ ان کی تخلیقی قوت کے اظہار نے شدائد میں بھی ان کو انتہا کا رستہ اختیار نہ کرنے دیا۔ اپنے تخلیقی اظہار کے بعد وہ
سکون اور آرام محسوس کرتے تھے۔ اظہار کی اس قوت نے ان کے جنون کو متوازن کیے رکھا۔

آزاد کے جنون کا زمانہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۰ء تک بیان کیا جاتا ہے۔ اس دور میں جنون کے اثرات کو اعتدال پر لانے کے لیے ادویات کا استعمال تجویز کیا گیا تھا۔ مگر آزاد ان ادویات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔ اطبا کے مشورے سے دوا کو دہی یا کسی دوسری غذائی شے میں ملا کر دینے کی کوششیں بھی کی جاتی رہیں مگر ذرا سے بھی شک ہونے پر وہ ایسی اشیا کو استعمال کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ لاہور کے مشہور معالج ڈاکٹر رحیم خان نے ان کے لیے خواب آور اور سکون بخش ادویات کا نسخہ لکھا تھا لیکن مولانا نے ان ادویات کو کسی بھی شکل میں استعمال نہ کیا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ذہنی کے لیے وہ اپنا علاج آپ کیا کرتے تھے۔ ''مکاتیبِ آزاد'' میں انہوں نے جنون کی حالت میں مولوی ذکاء اللہ کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ ''اڑھائی مہینے سے عمل جاری ہوا تھا۔''(۲۵) اسی خط میں ایک مقام پر کہتے ہیں کہ ''ایک بجے عمل سے فارغ ہوا۔''(۲۶) یہ ''عمل'' کیا تھا؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے آغا محمد باقر نے حاشیہ میں یہ نوٹ لکھا تھا:

''جب ان کی طبیعت خراب ہو جاتی تو آنکھیں بند کر کے زمین پر چت لیٹ جاتے تھے اور توجہ کامل کے لیے سانس کا عمل کرتے تھے جس سے طبیعت کو قدرے سکون حاصل ہو جاتا تھا۔''(۲۷)

جدید دور میں ماہرینِ نفسیات اور اطبا اس بات کا مشورہ دیتے ہیں کہ ذہنی دباؤ کی صورت میں اگر مریض لمبے لمبے سانس کھینچ کر انھیں آہستہ آہستہ خارج کرے تو اس کے مفید اثرات برآمد ہوتے ہیں۔ آزاد اس کیفیت سے

سکون پانے کے لیے سانس کا یوگا کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ہمارے پاس ''مکاشفاتِ آزاد'' کی ایک تحریر موجود ہے جس میں آزاد نے عالمِ جنون میں سانس کے عمل کی کیفیات کے مشاہدے قلم بند کیے ہیں۔ ہم اس نہایت دلچسپ اقتباس کو یہاں درج کرتے ہیں:

> ''رحمت کی سوت جاری ہے۔ فیض کا نٹے کی تول چل رہا ہے وہی خاص و عام کی جان ہے اور اس کا نام مبارک سانس ہے۔ سانس اجزا کی کمی بیشی اور مختلف کیفیتوں میں بے شمار اقسام رکھتا ہے اور ہر قسم کی متعدد تاثیریں ہیں۔ اس کی تقریر حدِ تحریر سے باہر ہے۔ ایک سانس تمھارے سینے میں دکھاتے ہیں کہ عجائبِ قدرت کا کرشمہ ہے۔ دیکھو سینے میں کچھ ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ سانس ہے مگر نیچے بہا جاتا ہے (بہت آہستگی سے) جیسے کسی سانپن کا پھنکارا جاتا ہے۔ سینے میں ایک جگہ کٹار ہے۔ وہیں سے پھر چل نکلا اور بہتا چلا۔ ناک نے باہر سے نیا سانس بھیجا۔ پہلا سانس کہیں کا کہیں پہنچا اور وہیں غائب ہو گیا۔ دوسرا جو آیا اس نے گلے سے نیچے جا کر کبھی دو کبھی تین ایسے کھٹکے باہر کو دیئے جیسے سانپ پھنکارنے میں پف پف کر کے زہریلی بھڑاس نکالتا ہے۔ وہ بھی اندر غائب، پھر اوپر سے ایک نیا سانس اُٹھا۔ بڑی اُٹھان سے سینہ پُھلا کر سینے میں وسعت پیدا کر کے یہ بھی جلد سینے سے پھر کر آیا مگر آدھا۔ باقی نے اس آہستگی سے لہراتے ہوئے اندر کا رستہ لیا اور کہیں کا کہیں جا نکلا۔ خدا جانے کہاں جاتا ہے۔ پھر نیا سانس شروع ہوتا ہے۔ سرے کو دیکھ کر کون پہچان سکتا ہے کہ وہی نفسِ مقدس ہوگا۔ اگر شروع ہوتے ہی اسے عامل سنبھالے اور عمل شروع کرے یا استادِ روحانی یا روحِ مقدس اشارہ کرے تو سبحان اللہ۔ یقین جانے کہ جہاں تک چاہے سینے میں دم بھرتا چلا جائے۔ ہرگز تنگی نہ کرے گا اور جہاں تک موادِ تمنا طولانی ہو تمام نہ ہوگا۔ بندۂ آزاد نے اس صورتحال دیکھ کر ''دم مار پیچ'' اس کا نام رکھا تھا۔ پھر اژدھے کو توڑنا شیر ہی کا کام ہے اس لیے س کے عمل کا نام شیر گانی فرمایا۔''(۲۸)

فرائیڈ کا کہنا ہے کہ نیچر نے فن کار کے اندر یہ صلاحیت ودیعت کی ہے کہ وہ اپنے ان ازبس خفیہ ذہنی مہیجات (Most seceret mental Impulses) کا اظہار بھی کر سکتا ہے جو کہ اس کی اپنی ذات سے بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہ اظہار اس کے تخلیقی کام کے ذریعے ہوتا ہے۔(۲۹)

آزاد کے ذہن میں پیدا ہونے والی ذہنی مہیجات کی لہریں لاشعور کے نہاں خانوں سے بہت کچھ اٹھا لاتی ہیں۔ مہیجات کی ان ہی لہروں میں ایک بار رجب علی اور اس کا کردار اپنی شکل بناتا ہے اسی طرح سے لاشعور کے یہ نہاں خانے ایک مقام پر اپیچی سن کو برآمد کرتے ہیں اور اس سے انتقام لینے کے لیے آزاد اسے ازبس بدہیئت بنا دیتے ہیں (مولوی رجب جو بعد میں ارسطو جاہ ہوا سن ستاون کی جنگ میں برطانوی خفیہ ایجنسی کے مقامی شعبہ کا نگران تھا۔ انگریز اس کی فراہم کردہ اطلاعات پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ یہ رجب علی ہی تھا کہ جس نے اپنے خفیہ

ذرائع سے سقوطِ دلی کے بعد بہادر شاہ ظفر کی مقبرۂ ہمایوں میں موجودگی کی اطلاع حکام کو دی تھی)

ذہنی خلل کے باعث کسی فرد کا خارجی دنیا کے مظاہر سے آہستہ آہستہ تعلق خاطر کم زور پڑتا جاتا ہے۔ اس کی ذہنی دنیا میں واقع ہونے والی تبدیلیاں خارجی مظاہر سے اپنی شناخت کم کم کرنے لگتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں اس کا رخ داخلی دنیا کی طرف موڑنے لگتی ہیں۔ اور یوں اس کے اندر کا سفر تیز ہو جاتا ہے۔ مریض اگر ادیب ہے تو متخیّلہ اس کا عمل تیز تر کر دیتا ہے۔ اس مسئلہ کے بارے میں فرائیڈ نے فینٹسی کا حوالہ دیا ہے۔ فرائیڈ نے اپنی تحریروں میں یہ کہا ہے کہ Insane کو فینٹسی (Fantasy) اس بات کا پروانہ دیتی ہے کہ وہ خارجی حقیقت (Outer Reality) کی جگہ ایک خود ساختہ داخلی حقیقت تعمیر کر لے کہ جس میں اس کی ذات کا بسیرا ہو سکے۔ (۳۰) فرائیڈ سائیکوسس (Psychosis) کو آرٹ فارم کہتا ہے کہ یہ حقیقت کی ری ماڈلنگ (Re-modeling) کر سکتا ہے۔ ذہنی مریض کے فن کارانہ کام کو فرائیڈ Pathological Product سے تعبیر کرتا ہے۔ (۳۱)

آزاد نے خارجی حقیقت کی دنیا کی ری موڈلنگ کرتے ہوئے اپنی نئی ذہنی ساخت اور داخلی ضرورت کے لیے ایک خود ساختہ داخلی حقیقت کی دنیا تعمیر کر لی تھی۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۰ء تک آزاد کا بسیرا اسی خود ساختہ ری موڈلڈ دنیا میں رہا۔ یہ دنیا کہ جہاں ان کو پوری آزادی حاصل تھی۔ جہاں ان کی فینٹسی کی پرواز لامحدود تھی۔ جہاں ان کا متخیلہ سدا متحرک رہتا تھا۔ اور جہاں ان کا لاشعور گزرے ہوئے حقائق و واقعات کو یاد کرواتا رہتا تھا اور وہ بقدرِ ضرورت ان کو استعمال کرتے رہتے تھے۔ یہ خود ساختہ دنیا ان کا مرکزِ تخلیق بن گئی تھی۔ اسی دنیا میں انہوں نے کچھ کرداروں کو محبت سے یاد کیا اور کچھ کو انتقام اور تضحیک کا نشانہ بنایا جیسے ایچی سن۔ اس طرح سے ان کے لاشعور میں سوئی ہوئی ہزیمت اور ذلت سے مجروح ہونے والی ذات کو سکون ملتا رہا اور ان کی مضطرب سائیکی اطمینان کے سانس لیتی رہی۔ عام زندگی میں لکھے گئے کام کا معنی خیز ہونا ایک حقیقت ہے اور یہ اس امر کا اعتراف بھی ہے کہ زندگی پُرمعنی ہے۔ مگر زندگی میں تغیر سے گزر کر جنون کو معنی خیز بنا دینا ایک بڑی معنی خیز بات ہے۔ ہمارے نقادوں نے آزاد کے اس رُخ کو سمجھنے کی سعی ابھی تک نہیں کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حسین آزاد، فلسفۂ الٰہیات، لاہور: مطبع گیلانی، ۱۹۲۶ء، ص ۵

۲۔ آغا سلمان باقر، اشاریہ مخطوطاتِ عالمِ وارفتگی، لاہور: جی۔سی۔یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص ۲۲

۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۸

۴۔ محمد حسین آزاد، بنشۂ پاک یعنی رسائل سپاک ونماک، لاہور: آزاد بک ڈپو، ۱۹۲۷ء، ص ۱۶

۵۔ سپاک ونماک، ص ۱۲۔۱۱

۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۲

۷۔ سپاک ونماک، ص ۳۱

۸۔ سپاک ونماک، ص ۴۹

۹۔ مرتضیٰ حسین فاضل، مرتب مکاتیب ِآزاد، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، دیکھئے دیباچہ جالب دہلوی

۱۰۔ ڈاکٹر محمد صادق، آبِ حیات کی حمایت میں، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء

۱۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۳۰۔۱۳۱

۱۲۔ مخطوطاتِ عالم وارفتگی، ص ۵۔۶

۱۳۔ ڈاکٹر سعادت سعید، مرتب: شعورِ خود رفتگی، لاہور: جی سی یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص ۹۵ (قلمی مسودہ سپاک ونماک ۱۹۔۱۸ کی نقل)

۱۴۔ فلسفۂ الٰہیات، ص ۴۔۵

۱۵۔ آبِ حیات کی حمایت میں، ص ۱۲۰

۱۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۲۲

۱۷۔ مکاتیبِ آزاد، ص ۱۵

۱۸۔ ولیم جیمز، نفسیاتِ وارداتِ روحانی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، مترجم، لاہور: مجلس ترقی اب، ۲۰۰۹ء، ص ۱۵۷۔۱۵۸

۱۹۔ سپاک ونماک، ص ۴۷

۲۰۔ شعور خود رفتگی، ص ۹۵

۲۱۔ مکاتیبِ آزاد، ص ۲۷۰۔۲۷۲

۲۲۔ آبِ حیات کی حمایت میں، ص ۱۲۶

۲۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۲۶

۲۴۔ نفسیاتِ وارداتِ روحانی، ص ۱۵۱

۲۵۔ مرتضیٰ حسین فاضل، مرتب: مکاتیبِ آزاد، لاہور: مجلس ترقی ادب ۱۹۶۶ء، ص ۲۶۹

۲۶۔ مکاتیبِ آزاد، ص ۲۷۰

۲۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۷۰

۲۸۔ ڈاکٹر اسلم فرخی، محمد حسین آزاد، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۸ء، ج۔۲، ص ۴۵۲

۲۹۔ Allen thiher, Revels in Madness Insanity in medicine and literature (Michigan: The University of Michigan Press, 1999) p.246

۳۰۔ Ibid. P.247

۳۱۔ Ibid. P.247